ھُوالآخر کا مطلب

سوال :- ھوالآخر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک وقت آئے گا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی چیز موجود نہ ہوگی اور عطاءً غیر مجذوذ سے معلوم ہوتا ہے کہ روحیں انعام باقی رہیں گی اور ناپید نہ ہوں گی۔ دونوں کی تطبیق کی ضرورت ہے۔

جواب :- دراصل ھوالآخر اللہ تعالےٰ کی صفت الآخر کے نہ سمجھنے سے یہ غلطی لگی ہے۔

عام طور پر الآخر سے یہ سمجھا جاتا ہو کہ جب سب ناپید ہو جائیں گے تو آخر میں صرف اللہ تعالےٰ باقی رہ جائے گا۔

لیکن یہ معنے آخر کے صحیح اور کامل مفہوم کو ادا نہیں کرتے۔ سائنس اور حکمت کی تحقیقات اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ وقت یا زمانہ اور فضا یا مکان اپنا کوئی خاص وجود نہیں رکھتے۔ نہ تو یہ مادہ ہیں نہ کوئی قوت مثل برقی قوت وغیرہ کے ہیں۔ نہ ارواح میں سے ہیں۔ غرضیکہ کچھ بھی نہیں ہیں صرف دو پیمانے ہیں جن سے انسانی دماغ کائنات کی تمام چیزوں کی باہمی نسبت کو سمجھتا ہے۔ مثلاً دو بادشاہ امان اللہ خاں اور نادر خاں جو ذہن میں آتے ہیں۔ تو امان اللہ خاں کی نادر خاں کے ساتھ جو نسبت دماغ انسانی اپنے علم کی بناء پر قائم کرتا ہے وہ اوّل اور آخر کی ہے یعنی امان اللہ خاں پہلے گذر چکا اور نادر خاں پیچھے آیا۔ اوّل اور آخر صرف اس نسبت کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو ایک شخص کو دوسرے سے ہے۔ اس پیمانہ کا نام ہم نے زمانہ رکھا ہوا ہے ورنہ زمانہ کسی خاص چیز کا نام نہیں محض اس پیمانہ کا نام ہے جس سے ایک خاص رنگ میں ایک چیز کی نسبت دوسری چیز سے ہمارے دماغ میں ذہن نشین ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی کوٹھڑی کی دیواروں سے گھری ہوئی جو جگہ ہے اسے ہم اندر کہہ دیتے ہیں اور جو ان دیواروں کے احاطہ میں نہیں ہے اسے ہم باہر کہدیتے ہیں یہ اندر اور باہر یا باطن اور ظاہر صرف اس نسبت کو ظاہر کرتا ہے۔ جو ایک چیز کو دوسری سے ہے۔ اس پیمانے کو ہم اپنی اصطلاح میں مکان یا فضا کہدیتے ہیں۔ ورنہ فضا کسی خاص چیز کا نام نہیں محض اس پیمانے کا نام ہے جس کے ذریعہ ایک خاص رنگ میں ایک چیز کی

نسبت دوسری چیز سے ہمارے دماغ میں ذہن نشین ہوتی ہے۔
جس طرح زمانہ اشیائے کائنات کی باہمی نسبت معلوم کرنے کا ایک پیمانہ ہے یعنی زمانہ اور فضا محض دو پیمانے ہیں جن سے دماغ انسانی ایک چیز کی نسبت دوسری چیز سے معلوم کر لیتا ہے اس سے بڑھکر کچھ بھی نہیں۔
قرآن کریم نے جب اللہ تعالےٰ کی صفات کا صحیح علم انسان کو دیا تو ضرور تھا کہ اس نسبت کو بھی بتلاتا جو خالق کو مخلوق سے بلحاظ زمانہ اور فضا کے ہے۔ اس حکمت کو کیسے پُر حکمت اور جامع الفاظ میں ظاہر فرمایا۔ کہ ھوالاوّل والآخر والظاھر والباطن یعنے اس کی صفات ہیں اوّل اور آخر، ظاہر اور باطن اول اور آخر سے زمانہ کی نسبت کو ظاہر کر دیا اور ظاہر اور باطن سے فضا کی نسبت کو ظاہر کر دیا۔
مقام غور ہے کہ قرآن نے کہیں نہیں کہا کہ خدا ازلی ابدی ہے۔ اس نے ازل اور ابد کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے متعلق سرے سے استعمال نہیں کئے کیونکہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نسبت غلط مفہوم پیدا کرتے تھے ازل اور ابد کی یہ اصطلاح دراصل یونانی فلاسفروں کی ہے۔ یونانی لوگ زمانہ کے علیحدہ وجود کے قائل تھے۔ اس غلط خیال کی وجہ سے ان کے فلسفہ میں زمانہ کے لئے ازل اور ابد کے ہم معنی نام گھڑے گئے۔ عرب فلاسفروں نے جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ کیا تو بالمقابل ازل اور ابد کی اصطلاحیں بھی گھڑی گئیں۔ ورنہ زمانہ نزول قرآن کے وقت عرب کے لوگ ازلی اور ابد کے اس انوکھے مفہوم سے قطعًا ناواقف تھے۔ شاید آپ کو شبہ گذرے کہ قرآن کریم میں بھی تو جنّت اور جہنّم کی نسبت ابد کا لفظ استعمال ہو گیا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ مگر وہاں ابد کا لفظ دہر طویل یعنی ایک لمبی مدّت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ابد کا لفظ کسی ایسی مدت کیلئے استعمال کرنا جس کا کوئی اختتام نہ ہو بہت بعد کے عرب فلاسفروں کی ایجاد ہے۔ قرآن کریم کے نزول کے وقت یہ مفہوم ابد کا نہ تھا۔ اسی لئے آباد اس کی جمع بھی آتی تھی۔ ابد الآباد کا محاورہ عام تھا۔ پس عرب کے لوگ ابد کو ان معنوں میں لیتے تھے نہ قرآن کریم نے لیا۔ اگر ان معنوں میں لیتا تو جہنّم کے لئے ابد کا لفظ بول کر پھر اُسے احقابا کہہ کر سالوں کی ایک خاص تعداد میں محدود کیوں کرتا اور جنّت کو ابدی کہہ کر عطاءً غیر مجذوذ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر ابد کے معنے ایسی مدّت تھی جو غیر منقطع ہو تو پھر عطاءً غیر مجذوذ کے الفاظ بڑھانا بالکل بے فائدہ اور تحصیل حاصل تھا۔ کیا ابدی کہنا کافی نہ تھا۔

جنت کے لئے ابد کا لفظ استعمال کر کے پھر عطاءً غیر مجذوذ کے الفاظ بڑھانا بتلاتا ہے۔ کہ ابد کے معنے قرآن میں وہی ہیں جو اس کے نزول کے وقت عام طور پر زبان عربی میں رائج تھے یعنے عرب کے لوگ ابد کو جن معنوں میں استعمال کرتے تھے انہیں معنوں میں قرآن کریم نے استعمال کیا۔ یعنی ایک لمبی مدت کے معنوں میں چونکہ ابد کے معنے عربی زبان میں غیر منقطع مدت کے نہ تھے اس لئے اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کے متعلق استعمال کرنا درست نہ تھا۔ اور اس لئے قرآن نے خدا کی صفات میں کہیں بھی ابد کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ رہ گئی یہ بات کہ کیوں نہ ابد کا لفظ یا کوئی اور مترادف لفظ یونانی اصطلاح کے مطابق ایک غیر منقطع مدت کے لئے خدا کی صفات کے مفہوم کے اظہار کے لئے ٹھہرا لیا گیا۔ سو اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ ابد یا ازل یا ان کے مترادف الفاظ زمانہ کے متعلق صحیح علم نہیں پیش کرتے ان سے شبہ پڑتا ہے (زمانہ کوئی وجود رکھتا ہے) جو غلط ہے اور مختلف اشیاء کی باہمی نسبت زمانی کا ان سے کچھ پتہ نہیں لگتا۔ البتہ اول اور آخر کے وہ الفاظ ہیں جن سے صحیح طور پر باہمی نسبت زمانی کا پتہ لگتا ہے اس لئے ان الفاظ کو اختیار کیا گیا۔

ھو الاول فرما کر یہ سمجھایا کہ خالق اور مخلوق کی نسبت زمانہ کے پیمانے سے یہ ہے کہ زمانہ کو ماضی کی طرف جتنا بھی پیچھے لے جاؤ خالق کی نسبت مخلوق سے ہمیشہ اول رہیگی کیونکہ ضروری ہے کہ خالق جو پیدا کرنے والا اور غیر محدود ہے وہ پہلے ہو اور مخلوق جو اس کی پیدا کردہ اور محدود ہے وہ بعد میں ہو۔ پس زمانہ کے پیمانہ کو ماضی کی طرف جتنا بھی لمبا کرتے چلے جاؤ خالق کی نسبت مخلوق سے اول ہی رہے گی۔ لہذا خالق کی صفت اول ہی ٹھہری۔ جو کبھی اس سے الگ نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ھو الآخر فرما کر یہ سمجھایا کہ زمانہ کے پیمانہ کو مستقبل کی طرف جتنا بھی لمبا کرتے چلے جاؤ خالق کی نسبت مخلوق سے ہمیشہ آخر کی ہی رہے گی۔ کیونکہ خالق غیر محدود ہے اور مخلوق محدود ہے، ضرور ہے کہ غیر محدود نے محدود کا احاطہ کیا ہوا ہو۔ واللہ بکل شیئ محیط محدود مخلوق کا قیام تو خالق کے فضل اور امداد سے پر مبنی ہے۔ وہ جب چاہے فنا کر دے۔ اس لئے غیر محدود خالق کی نسبت محدود مخلوق سے جو بھی اور جب کبھی بھی قائم ہوگی سوائے اول اور آخر کے ہو ہی نہیں سکتی۔ یعنے ماضی کی طرف زمانہ کا پیمانہ بڑھاؤ تو خالق

کی نسبت مخلوق سے اوّل کی ہوگی اور مستقبل کی طرف اس پیمانہ کو بڑھاؤ تو خالق کی نسبت مخلوق سے آخر کی ہوگی پس اوّل اور آخر خدا کی دو صفات ہیں جو اس سے کبھی الگ نہیں ہو سکتیں۔ اور جن سے اس نسبت زمانی کا پتہ چلتا ہے جو خالق کو مخلوق سے ہے۔

اسی طرح ظاہر اور باطن بھی اسی نسبت کو ظاہر کرتا ہے جو فضا کے پیمانے کے ذریعہ خالق کو مخلوق سے ہے۔ محدود مخلوق کو بلحاظ فضا یا مکان کے باہر کی طرف جس قدر لے جاؤ غیر محدود خالق کی نسبت محدود مخلوق سے باطن کی ہی رہے گی۔ پس نسبت کا اس قدر دقیق علم اور زمانہ فضا کے غلط خیالات کی ایسی تصحیح جس پر سائنس بڑی تگ و دو کے بعد آج پہنچی ہے۔ آج سے تیرہ سو برس پہلے ایک اُمّی عرب پر قرآن کے ذریعہ سے ان کا انکشاف کس قدر ایمان کو تازہ کرتا ہے اور رُوح کو لذت سے بھر دیتا ہے۔ آج سے بیس برس پہلے کون جانتا تھا کہ زمان اور مکان کوئی خاص اپنا وجود نہیں رکھتے بلکہ یہ محض اشیاء کائنات کے باہمی تناسب کو ذہن نشین کرنے کے دو پیمانے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ بعض مادی فلاسفروں کا کاسہ لیسی کر کے آریہ کہتے پھرتے تھے کہ خدا کے ساتھ مادہ اور روح اور فضا اور زمانہ ازلی ابدی ہیں، آج چوٹی کی تحقیقات یہ نکلی کہ یہ سب غلط ہے نہ فضا کوئی چیز ہے نہ زمانہ کا کوئی وجود ہے، یہ تو محض مختلف اشیا کے باہمی تناسب معلوم کرنے کے دو مختلف پیمانے ہیں لہذا نہ ازلی کوئی چیز ہے اور نہ ابدی کوئی معنی رکھتا ہے۔ جو چیز اصلی ہے وہ آپس کی نسبت ہے۔ خالق کی نسبت مخلوق سے قائم کرو۔ اگر خالق غیر محدود ہے اور مخلوق محدود تو ضرور ہے کہ خالق اوّل ہو اور مخلوق بعد میں آوے۔ اگر یہ نہیں تو نسبت قائم کرو۔ جب اس کے علاوہ کوئی نسبت قائم کر سکو گے تو دیکھ لیں گے۔

یہ بالکل نئی تحقیقات سائنس ہے۔ خدا کرے میں اپنا مافی الضمیر آپ کو سمجھا سکا ہوں۔ اتنے دقیق مسئلہ کے لئے مجھے اپنی قاصر الالفاظی کا اقرار ہے۔